18. M. HABIBUR REHMAN SAHIB,
Hony. Secretary,
Anjuman Taraqqi-e-Urdu,
Himayat Nagar,
HYDERABAD (DECCAN).

رجسٹرڈ نمبر اے ۹۲۲
ٹیلیفون نمبر [illegible]

تار کا پتہ
انجمن، علی گڑھ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے — سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۴	۱۵ مئی ۱۹۵۵ء	اڈیٹر:- قاضی عبدالغفار	۲۳ رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ	نمبر ۱۰

اردو کی علاقائی حیثیت

اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور بہت کچھ کہا جا چکا ہے پھر بھی اردو اپنے جائز حق سے محروم ہے۔ اور آئے دن نئے نئے مسائل اٹھ رہے ہیں۔

کل تک اتر پردیش میں اردو کی زبوں حالی کا رونا تھا۔ آج دلی میں اردو کے مسئلے پر چیخ و پکار مچی ہوئی ہے۔ جہاں پنڈت جواہر لال نہرو بھی موجود ہیں۔ جنھوں نے وزیر اعظم کی حیثیت سے کئی بار اپنی تقریروں میں اردو کے جائز حق کی شہادت دی ہے اور یہاں تک کہا ہے کہ:۔

"اردو ہندوستان میں پیدا ہوئی یہیں پلی بڑھی اس زبان میں ملک کا بہت
بڑا سرمایہ محفوظ ہے اسے پاکستان کو تحفہ کے طور پر نہیں دیا جا سکتا۔"

وزیر اعظم کے ان خیالات کے باوجود بھی اردو کے ساتھ حکومت کی غیر منصفانہ پالیسی میں کوئی لچک پیدا نہیں ہو رہی ہے نہ بظاہر اس کی کوئی امید پائی جاتی ہے۔

صدر جمہوریہ ہند نے بھی انجمن ترقی اردو (ہند) کے اس وفد کو جو بیس لاکھ سے زائد دستخطوں کو لیکر ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور اپنی عرض داشت پیش کی تھی ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا جس نے حکومت کی پالیسی کو بہت زیادہ مشتبہ بنا دیا ہے بہار کی ریاستی انجمن بھی جو کئی لاکھ دستخط فراہم کر چکی ہے۔ عنقریب صدر جمہوریہ کی خدمت میں اپنی عرض داشت پیش کرنے والی ہے۔ دہلی، بھوپال، میسور اور آندھرا میں بھی یہ مسئلہ اٹھنے والا ہے۔ کیونکہ اردو کا مسئلہ اب کل ہند مسئلہ بن گیا ہے۔ اور ہر طرف سے آوازیں اٹھ رہی ہیں کہ اردو کا جائز حق اسے ملنا چاہئے۔ تاکہ وہ بدگمانیاں جو حکومت کی طرف سے اردو والوں میں پیدا ہو گئی ہیں دور ہو جائیں اور وہ مطمئن ہو کر حکومت کے ساتھ تعاون کریں۔ اقلیتوں کی نگہداشت اور ان کے جائز مطالبات جب تک پورے نہیں ہوتے کوئی جمہوری حکومت کامیاب نہیں ہوتی یہ ایک راز ہے جو ہماری حکومت کو بھولنا نہیں چاہئے۔

یہ غلط فہمیاں کس طرح دور ہوں؟

چونکہ اردو زبان پورے ہندوستان میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اردو، ہندو مسلمان، عیسائی سب کی زبان پر چڑھی ہوئی ہے اس لئے اسکی مشکلات میں بھی ملک گیر بن گئی ہے اور اس کی راہ میں ہر جگہ روڑے اٹکائے جا رہے ہیں۔ اگر ملک کی فضا اردو کے حق میں ہوتی تو اس کی ہمہ گیری خود اس کے لئے مبارک ثابت ہوتی۔ مگر فضا اس کے خلاف کر دی گئی ہے اس لئے اس کی ہمہ گیری اس کے حق میں وبال جان بن گئی ہے۔ سچ پوچھو تو اردو اس وقت پورے ملک کی زبان ہے اور اس کی بنا پر اسے سرکاری زبان بننے کا حق حاصل ہے۔ مگر ہم تو اس کا تصور بھی مشکل ہی سے کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ دیکھ کر بھی تو افسوس ہوتا ہے کہ اردو کی خوبی، وسعت اور ہمہ گیری اسے روشنیٔ طبع تو بر من بلا شدی کی مصداق بن گئی ہے اور ہر جگہ اسے دیس نکالا دیا جا رہا ہے۔

آندھرا اردو کانفرنس میں اس کے صدر صاحب نے کہا کہ صرف میسور میں اردو کے ایک ہزار پرائمری اسکول ہیں۔ اسی طرح تامل ناڈ کیرالا اور آندھرا میں اردو کے ہزاروں اسکول ہیں۔ لیکن ان علاقوں میں جب لازمی تعلیم کا سسٹم جاری ہوگا تو اردو کے اسکول ختم ہو جائیں گے۔ خود وزیر اعلیٰ میسور نے بجٹ پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ریاست میں چار سو آدمی کرناٹک اور ایک ہزار اردو اسکول ہیں۔ ان اسکولوں کا جاری رہنا دستور ہند کے منشا اور معنی کے خلاف ہے کیونکہ یہ مدارس علیحدگی پسند رجحانات کو تقویت دیتے ہیں اور عوام پر برا اثر ڈالتے ہیں۔

میسور کے وزیر اعلیٰ اردو کے بارے میں کیسی غلط اور بے بنیاد بات بول گئے ہیں اور انھیں اس غلطی سے نکالنا کتنا بڑا اور مشکل کام ہے۔ انھوں نے دستور کو دستور ہی کی درانتی سے کاٹا ہے یعنی جس زبان کو دستور میں علاقائی تسلیم کیا گیا ہے۔ اسی زبان پر دستور کا حربہ چلایا گیا ہے۔ اگر اردو علیحدگی پسند رجحانات کو تقویت دیتی تو دستور میں اس کی مستقل حیثیت تسلیم نہ کی جاتی۔ پھر اس کے شاعروں، مصنفوں، مقرروں، ادیبوں اور اڈیٹروں میں ہندو، مسلمان، عیسائی، سکھ ہرگز نہ ملتے۔ نہ اس کے حامیوں میں کسی ہندو کا نام نظر آتا۔ آج بھی آریہ سماجیوں کے بیشتر اخبارات اردو ہی میں نکلتے ہیں۔ سوامی دیانند جی کی کتاب ستیارتھ پرکاش۔ داگوید آدی بھاشیہ بھومکا اور دوسری بہت سی کتابیں اردو میں شائع نہ کی جائیں۔ اپنشد۔ گیتا اور دوسری کتابوں کو اردو میں منتقل نہ کیا جاتا انجمن ترقی اردو بھوپال کے صدر ہندو نہ ہوتے کوئی مسلمان صاحب ہوتے بڑے بڑے لیڈر رہنما اور سلیس اردو میں فر فر تقریریں کرتے نظر نہ آتے پنڈت جواہر لال نہرو اپنی تقریروں میں بار بار نہ کہتے کہ اردو ہمارے ہی ملک کی زبان ہے۔ دہلی۔ یو۔ پی اور شمالی ہند اس کا گہوارہ ہے

پھر جنوبی ہند میں اردو کو وہ مقبولیت حاصل نہ ہوتی جسے دیکھ کر اردو دشمنوں کا سر چکرانے لگتا ہے۔

وزیر اعلیٰ میسور نے اردو کے بارے میں علیحدگی پسند رجحانات کا ذکر کر کے بہت بڑی غلط فہمی پھیلائی ہے۔ ملک کے فرقہ پرست اگر ایسی باتیں مشہور کریں تو گلہ کی کوئی بات نہیں۔ لیکن وہ لوگ جن کو فرقہ پرستی سے دور کا بھی تعلق نہیں اردو کے بارے میں بہکی بہکی باتیں کہہ جاتے ہیں زبان ہندی ہو یا انگریزی اردو ہو یا جرمنی اور روسی۔ ان کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ کوئی زبان نہ ہندو ہوتی ہے نہ مسلمان۔ وہ محض اظہار خیال کا ایک ذریعہ ہوتی ہے۔ اور یہ قدرتی بات ہے کہ جو لوگ جس زبان میں [illegible] رائے کی قدرت رکھتے ہیں وہ ان کی مادری زبان ہے وہ اسی کو [illegible] کرنا چاہتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں زبان سے علیحدگی پسند رجحانات کو تقویت ملتی ہے تو وہ زبان سے اپنی ناواقفیت کا ثبوت بہم پہونچاتا ہے۔ اس کے معنی اگر وسیع کر لئے گئے، صرف اردو پیدا کرنے کے لئے یہ فقرہ چست نہیں کیا گیا تو پھر ایک زبان اردو ہی کو ختم کرنا نہ ہوگا بلکہ ہندوستان کی بہت سی زبانوں کا جنازہ نکالنا ہوگا آج آسام میں بنگالی زبان کا جھگڑا ہے۔ خود جنوبی ہند میں ہندی پر سیاہی پھیری جا رہی ہے۔ پنجاب میں پنجابی اور ہندی نے ہندوؤں اور سکھوں میں جدائی پیدا کر رکھی ہے۔ دوسرے صوبوں میں بھی زبانوں نے اس قسم کی الجھنیں پیدا کر رکھی ہیں تو کیا ان تمام زبانوں کو حرف غلط کی طرح مٹانے اور ان کے اسکولوں کو بند کرنے کی کوشش کی جائے گی؟ سوچنے کا آخر یہ انداز کیا ہے کہ فلاں زبان سے علیحدگی پسند رجحانات پیدا ہوتے ہیں لہٰذا اسے فنا کے گھاٹ اتارا جائے گا: زبانوں کے مسئلے کہیں ایسی باتوں سے حل ہوتے ہیں۔ اور پھر کسی زبان کے بارے میں دو چار شخصوں کا ایسا الزام تو اتنی بڑی ناانصافی ہے جس کی نظیر تاریخ میں نہیں مل سکتی! موجودہ سیاست سے عوام کا اعتماد اسی لئے اٹھتا جا رہا ہے کہ اس کی خاطر سفید کو سیاہ بنا دیا جاتا ہے۔ اردو ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کے اتحاد کی ایک روشن نشانی ہے۔ اسی زبان کے ذریعے ہندوستان کو آزاد کرانے کا پروپیگنڈہ ہوا اور جنگ آزادی اسی کے سائے میں پروان چڑھی۔ پھر اتحاد کا جیتا جاگتا ثبوت یہ ہے کہ دہلی اور یو۔ پی میں ہندو مسلمان سب اسی زبان میں باتیں کرتے ہیں اور ملک کے گوشے گوشے میں اسی زبان کے اخبارات نکل رہے ہیں۔ حیدرآباد میں اردو کے ساتھ جو سلوک کیا گیا ہے وہ موجودہ تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے۔ اس کے باوجود وہاں سے جس قدر اردو زبان کے اخبارات نکلتے ہیں، ان کا دسواں حصہ بھی کسی دوسری زبان کے اخبارات کو حاصل نہیں ہے۔

کیا کوئی ایسا ذریعہ بھی ہے جو بعض لوگوں کے دلوں سے یہ بات نکال دے کہ اردو زبان مسلمان ہے یا وہ صرف مسلمانوں کی زبان ہے یا اسے پڑھنے والے مسلمان بن جاتے ہیں؟ جواب تو صاف ہے کہ ملاپ اور پرتاپ جیسے آریہ سماجی اخبارات اگر اردو کو استعمال کرتے ہوئے مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تو اردو اور اسلام مرادف کیسے بن گئے! کسی ایسے شخص کو تلاش کیا جائے جو میسور کے وزیر اعلیٰ کو زبانوں خاص طور سے اردو زبان کی پوزیشن سمجھا جائے۔ یا ان سے یہ سمجھ کر اٹھے کہ واقعی زبانیں ہندو، مسلمان اور عیسائی ہوتی ہیں! بہرحال ادھر اگی اردو کانفرنس میں اردو اسکولوں کے بارے میں جس تشویش کا اظہار کیا گیا ہے وہ اپنی جگہ حق بجانب ہے۔ مگر کوشش شرط ہے آخر اردو کے حامیوں نے ہمت مرداں مدد خدا کا مقولہ تو ضرور سنا ہوگا۔

(الجمعیۃ دہلی)

اردو دشمنی کی رفتار

دہلی اور یوپی میں اردو زبان کا معاملہ ٹیسٹ کیس کا حکم رکھتا ہے۔ اگر صوبائی حکومتوں کی اردو دشمنی یہاں تک بڑھی کہ وہ دہلی اور یوپی کے اسکولوں، دفتروں اور کچہریوں سے بالکل صاف کر دی گئی تو اس زبان کو ہندوستان کے کسی گوشہ میں پناہ نہ مل سکے گی یہی وجہ ہے کہ یوپی کی سرکار اردو کی قاتل بن رہی ہے۔ اب دہلی سرکار اور دہلی میونسپلٹی نے اس مقدس پیشے کو اپنا کر اردو کی جان نکالنے کی ٹھانی ہے۔ چنانچہ میونسپلٹی سے اردو کے بورڈ اڑا دیے گئے۔ اس نے اردو اسکولوں کے ٹیچروں کو ہدایت کی کہ وہ اپنے کاغذات اردو میں نہ بھیجیں بلکہ ہندی میں بھیجیں۔ اس حکم کے خلاف دہلی میں سخت احتجاج ہوا اور صدر میونسپلٹی جو خود بھی اردو کے دشمن ہیں تحقیقات کا وعدہ کر چکے ہیں۔ مگر کس قدر گرا ہوا کریکٹر ہے کہ نہ کوئی تحقیقات کی جاتی ہے اور نہ پہلے حکم کو منسوخ کیا جاتا ہے اسی اردو کے بارے میں دہلی کے حامیان اردو کا ایک وفد وزیر اعلیٰ دہلی اسٹیٹ سے بھی ملاقات کر چکا ہے۔ اور ان سے کہہ چکا ہے کہ جناب یہ کیا حرکت ہے کہ جس دہلی کے ۹۹ فیصدی باشندوں کی زبان اردو ہے وہاں اس لسانی فسطائیت کے کیا معنی کہ اردو کو کھرچ کھرچ کر مٹایا جا رہا ہے۔ اس کے جواب میں کہا گیا کہ وزیر اعلیٰ کو اردو کے ساتھ ہمدردی ہے۔ اور وہ معاملہ کی تحقیقات میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔

مگر افسوس ہے کہ بلکہ رنج و ملال بھی کہ پہلی غلطیوں کی تلافی نہیں کی جاتی کہ نئی نئی غلطیوں کا ارتکاب ہونے لگتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اردو دشمنوں نے قسم کھا رکھی ہے کہ اردو والوں کی باتیں سنو اپنا عذر بھی پیش کرتے رہو اور ان کے ہاتھوں یہ بھی کہتے رہو کہ معاملہ کی تحقیقات ضرور کی جائے گی، مگر اردو کو قتل کرنے کی جو رفتار ہے اس میں کمی نہ آنے دو، گویا اردو کو مٹانا ایک طے شدہ پالیسی ہے باقی ضابطے کی کارروائیوں کے لئے وعدہ کرتے رہنا بھی کوئی برا سودا نہیں!

دہلی میں اردو کے خلاف جو گل کھل چکے ہیں وہ خشک بھی نہ ہونے پائے تھے کہ دہلی میونسپلٹی نے ایک اور گل کھلا دیا ہے۔ وہ یہ کہ اردو کے پرائمری اسکولوں کے بچے اور بچیوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ہندی کی کتابیں خریدیں! جب ایک کام کرنا ہی ٹھہرا تو اس بات کی کیا پروا کہ وہ معقول ہے یا نامعقول، مناسب ہے یا نامناسب، قابل عمل ہے یا ناقابل عمل۔ اردو پرائمری اسکولوں میں ذریعہ تعلیم اردو ہے۔ ان کے طلبا کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ وہ اردو کے بجائے ہندی کی کتابیں خریدیں کوئی پوچھے کہ جب طلبا کی زبان شروع سے اردو ہی رہی ہو تو اعلیٰ درجے معیار کی ہندی کتابیں یک بیک کس طرح پڑھ سکیں گے؟

حکومت ہند کی طرف سے اس پالیسی کا بار بار اعلان کیا گیا ہے کہ جہاں کہیں اردو لینے والے طلباء کی تعداد ایک کلاس میں کم از کم دس اور پورے اسکول میں کم از کم چالیس ہوگی تو وہاں ان کی مادری زبان میں تعلیم کا انتظام کیا جائے گا۔ لیکن اس ضابطہ اور حکم کی پروا نہ تو صوبائی حکومتیں کرتی ہیں اور نہ لوکل باڈیز کو اس کی مخالفت کرنے میں دریغ ہے۔ مرکزی حکومت کا حکم ایک طرف اور دہلی میونسپلٹی کا حکم دوسری طرف، اس غداری اور حکم عدولی پر نہ مرکزی حکومت کوئی نوٹس لیتی ہے اور نہ خلاف ورزی کرنے والے کوئی شرم محسوس کرتے ہیں عام طور پر ذرا ذرا سی بات کا خیال رکھا جاتا ہے، خلاف ورزی پر سخت سے سخت باز پرس ہوتی ہے۔ مگر اردو کے معاملے میں تو اس قدر اندھیر کھاتا ہے کہ میونسپلٹی جیسے ادارے مرکزی حکومت کے حکم کو توڑتے ہیں اور ان کا بال بیکا تک نہیں ہوتا۔ انجمن ترقی اردو ہند کی شاخ دہلی کا ایک وفد وزیر اعلیٰ دہلی اسٹیٹ کو پہلے مل چکا ہے۔ اب اسے دوسرے وفد کی تیاری کرنی ہے۔ فی الحال وہ اس بات کی تحقیقات کرے گی کہ اردو کے پرائمری اسکولوں کے طلبا کو اردو کے بجائے ہندی کی کتابیں لانے اور پڑھنے کی ہدایت کیوں کی گئی ہے ممکن ہے کہ انجمن کو ہندی کتابوں کے بارے میں کوئی جواب مل جائے اور ارباب کار کی [illegible] مگر ایک بات قطعی ہے وہ یہ کہ اردو کے بارے میں ارباب کار کی نیتیں بہت کھوٹی ہیں اور وہ اردو دشمنی میں کسی کی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہیں، وہ زبان سے کچھ کہتے ہیں اور ان کا عمل کچھ اور ہوتا ہے ایک مسلسل جدوجہد ہوتی ہے اردو کو ختم کرنے کی پنڈت جواہر لال نہرو

بار بار کہہ چکے ہیں کہ اردو ہندوستان ہی کی زبان ہے اور ہندو مسلمانوں کے اتحاد اور مشترک تہذیب کی نشانی۔ مگر ان کی کوئی نہیں سنتا، اور اب تو اردو پر مین رامیہ حالی میں حملہ کر کے ان کو بھرپور جواب دیا جا رہا ہے۔ سوال ہندی کا نہیں، کیونکہ وہ تو سرکاری زبان بن چکی ہے اور مسلمان اس میں بڑھ چڑھ کر حصے رہے ہیں۔ سوال ہے اردو کو مٹانے

ختم کرنے اور فنا کرنے کا۔ یہ ہندی کے ساتھ دوستی نہیں ہے یہ اپنے ملک کی ادبی اور تہذیبی جڑوں پر کلہاڑا چلانا اور اردو کے حامیوں کو نیچا دکھانا ہے، خدا خیر کرے۔ دہلی میونسپلٹی نے اردو کے اسکولوں پر براہ راست حملہ کیا ہے دیکھنا چاہئے اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔

اردو کشی کی ملک گیر مہم

شجاعت علی سندیلوی

اردو کشی کی مہم رفتہ رفتہ ملک گیر ہوتی جا رہی ہے اس مہم کے آغاز کا سہرا ہمارے صوبہ یو۔ پی کے سر ہے۔ جہاں سب سے پہلے ۴۷ء سے اردو کی گردن پر چھری چلا دی گئی۔ اور اس وقت سے اب تک باقتدار حضرات کی اردو دشمنی میں عملاً کوئی فرق نہیں آئی۔ مارچ ۸۰ء میں شعوری یا غیر شعوری طور پر وزیر مالیات حافظ محمد ابراہیم صاحب نے بجٹ کے سلسلے میں اردو کا بھی ذکر خیر دبی زبان سے فرمایا تھا۔

اسی وقت دل دھڑکا تھا کہ آخر یہ کرم بے حساب اردو پہ ستمگر اعظم کے دور میں مت میں کیوں کیا جا رہا ہے ؎

مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دور جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

اردو کے ذکر خیر سے اردو والوں کا بھلا تو کیا ہوتا اور اردو کے لئے کچھ عملی طور پر رعایت کیا ملتی؟ البتہ دشمنان اردو کے کلیجوں پر سانپ لوٹ گیا۔ بجٹ سیشن میں اردو کا ذکر ایک ذمہ دار کانگریسی کی زبان سے ناقابل معافی جرم تھا۔ اردو نوازی کے سلسلے میں یہ گرہی دیے راہ روی دستور ہند کے لاکھ مطابق سہی۔ مگر حکمران جماعت اور طبقہ کے لئے تو غداری کے مترادف تھی کہ ؎

اللہ ری گمرہی بت و بت خانہ چھوڑ کر
مومن چلا ہے کعبہ کو اک پارسا کے ساتھ

لینے کے دینے پڑ گئے۔ آخر وزیر اعلیٰ یو۔پی نے اردو کی پوزیشن کی وضاحت کر دی کہ اردو کو کوئی مخصوص رعایت نہیں دی گئی اور نہ اس سے ہندی کے حق کو چھینا گیا۔ خیر معاملہ رفت گزشت ہو گیا۔

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت
یو۔پی کے ہندو اور حامیان اردو کے لئے یہ کوئی

بات نہیں تھی۔ اور وہ وزیر مالیات کی اردو نوازی کے ذکر سے مطمئن ہو گئے تھے کیونکہ سات سال تجربہ کچھ اور کہتا ہے۔ اس سے زیادہ زوردار الفاظ میں اردو تعلیم کی یقین دہانی متعدد بار کرائی گئی، نصاب کی تبدیلی کا اقرار کیا گیا، سرکلر جاری کرنے کا وعدہ کیا گیا۔ لیکن نتیجہ میں وہی ڈھاک کے تین پات بلکہ اردو والوں کو کچھ کچھ بیدار ہوتا ہوا دیکھ کر نئی نئی چالیں چلی جانے لگیں، کبھی اردو کے وجود کا اعتراف کیا گیا، کبھی زیادتیوں پر اظہار افسوس کیا گیا کبھی اظہار ہمدردی، اور کبھی ؎

خواب سے بیدار ہوتا ہے کوئی محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

پر عمل کر کے میٹھی چھری سے ذبح کیا گیا۔ مگر اردو کو مٹاتے رہنے کی کارروائی جاری رکھی گئی۔ یو۔پی میں جونیئر ہائی اسکولوں کا نیا نصاب اس ترکیب سے مرتب کیا گیا کہ اس میں بچہ اپنی مادری زبان سے محروم رہے انگریزی کے ساتھ مادری زبان کو رکھ کر اور صرف ایک مضمون لینے کا اختیار دے کر اردو کو ختم کر دیا گیا۔ حالانکہ پہلے جونیئر درجات میں تین مضامین لینے کا اختیار تھا۔ اس سلسلے میں ملاقاتیں کی گئیں، کانفرنسیں ہوئیں، احتجاجی جلسے ہوئے۔ لیکن جمہوریت نواز، منصف مزاج، حقیقت پسند گورنمنٹ کے کانوں پر جوں نہ رینگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس سال ۸۱-۱۹۸۰ء میں پورے صوبہ میں چھٹے درجے سے اردو کی تعلیم جبراً ختم ہو گئی۔ اب ۸۲-۱۹۸۱ء میں ساتویں درجہ میں بھی ختم ہو جائے گی اور ۸۳-۱۹۸۲ء میں آٹھویں درجہ میں بھی ؎

تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے باد صبا
یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک

ایک طرف دستور ہند، ہندی کے ساتھ تمام زبانوں کو زندہ رہنے کا حق دیتا ہے دستوری اعتبار سے بھی اور جمہوری اعتبار سے بھی ... یہی وہ زبان ہے جو اس مخالف ماحول میں ہندوستان کے ہر گوشہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ جس میں ہر مذہب، ہر فرقہ کے ادیب اور شاعر ہیں۔ جو اب بھی متحدہ قومیت کی علمبردار ہے۔ ہندوستان میں اب بھی اردو کے علاوہ کوئی

دوسری زبان ایسی نہیں ہے جس کو سب سمجھتے ہوں۔ اردو کا ادب جیتا جاگتا اور ترقی یافتہ ادب ہے۔ اس میں حرکت زندگی اور توانائی ہے۔ وہ شاید اسی لئے ہندی کے پرچاری اردو سے ڈرتے ہیں اور اس کو زندہ درگور کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ اگر اردو قائم رہی تو ہندی کا پنپنا ناممکن ہو جائے گا۔ حالانکہ یہ ان کی تنگ نظری ہے۔ ہندی کی ترقی بغیر اردو کی ترقی کے مشکل ہے۔ ہندی کو اگر ہمہ گیر اور ہر دلعزیز زبان بنانا ہے تو اردو کے ساتھ رواداری کرنا پڑے گی۔ اس کے حقوق کو تسلیم کرنا پڑے گا نہ صرف اردو کے لئے بلکہ ہندوستان کی ہر زبان کے ساتھ فراخدلی سے پیش آنا پڑے گا۔ ان سب کو ختم کر کے ہندی ترقی نہیں کر سکتی۔ اس میں زندگی اور حرکت نہیں آ سکتی۔ چند دنوں کے لئے ممکن ہے کہ وہ اکثریت کے بل بوتے پر محدود طور پر جاری ہو جائے۔ لیکن یہ باتیں طاقتوں یا حکومتوں کے بل پر زندہ نہیں رکھی جا سکتیں۔ ان کا مزاج آزاد اور عوام پسند ہوتا ہے۔ عوام سے ربط رکھنے کے لئے تمام مروجہ اور سمجھ میں آنے والے الفاظ خواہ وہ کسی زبان کے ہوں، اپنانا پڑیں گے نئے نئے بھاری بھرکم سخت اور مشکل الفاظ اس وقت بھی نامانوس اور مصنوعی ہیں اور حلق کا آپریشن کرانے کے بعد بھی گلے سے نہیں اتریں گے یہ رجحان اور یہ رویہ غلط ہے۔ آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں اس طریق عمل کو بدلنا پڑے گا۔ ہندی کی بھلائی اسی میں ہے کہ اس کے نام لیوا، انتقام اور جذبات سے کام لینے کے بجائے ہمدردی، سمجھ اور دور اندیشی سے کام لیں۔ جواہر لال، راجہ جی وغیرہ جیسے ہوشمند اور جمہوریت پسند حضرات کے مشوروں پر عمل کریں۔ دستور ہند کا مذاق نہ بنائیں۔ جمہوریت کی ہنسی نہ اڑائیں، اکثریت کا ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں دوسری زبانوں کے حقوق کو غصب نہ کریں۔ جیو اور جینے دو پر عمل کریں۔

اردو والوں نے دستور کا سہارا لیا ہے ایک سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا صدر جمہوریہ کی خدمت میں اردو کی فریاد کی گئی تھی۔ لیکن ابھی تک اس کی فریاد سنی نہیں گئی۔ ہمدردان اردو کی بے چینی اور بے بسی کے ساتھ بدگمانی بڑھتی جاتی ہے اور اس بدگمانی میں آئے دن کے نئے نئے اردو کشی کے واقعات اضافہ کرتے جاتے ہیں۔ ابھی تک یو پی ہی اردو کشی کا مرکز تھا۔ لیکن خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ جب ہندوستان کے اس سب سے بڑے صوبے سے جو اردو کا وطن بھی تھا۔ اردو ختم ہو گئی اس کے وجود سے انکار کر دیا گیا۔ تو دوسرے صوبے کیوں پیچھے رہتے دہلی جیسے صوبے سے بھی جہاں اردو اوڑھنا بچھونا ہے، اردو کا خاتمہ کیا جا رہا ہے۔ پٹیالہ یونین سے اردو ختم کی جا رہی ہے۔ پنجاب میں اردو کی مخالفت، اردو اخبارات کے ذریعے سے زور و شور کے ساتھ ہو رہی ہے۔ حیدرآباد دکن میں برسوں کی قائم شدہ، اور تجربے میں کامیاب مادری زبان میں تعلیم دینے کی واحد عثمانیہ یونیورسٹی پر بھی نظر عنایت ہوئی۔ اس جمہوریت میں فرقہ پرست زبان اردو کو زندہ رہنے کا کیا حق ہے؟ چلے گردن پر چھری چل گئی۔ اور عثمانیہ یونیورسٹی اپنی بنیادی خصوصیت اور پیدائشی حق سے محروم کر دی گئی۔ بھوپال بھی اسی زد میں آگیا اور بہار میں بھی ریشہ دوانیاں جاری ہیں۔

جب حیدرآباد اور بھوپال نہ بچا تو میسور اور آندھرا کون بچے۔ غنیمت ہے کہ آندھرا میں ابھی تک اردو ذریعہ تعلیم ہے۔ لیکن حالات تیار ہیں کہ وہاں بھی تلاطم مچا ہوا ہے۔ اور زبان کے سمندر میں طوفان آنے والا ہے۔ پھر بھی آندھرا کی ذات غنیمت ہے کہ وہ روشنی کا مینارہ بنا ہوا ہے۔

کسی کسی صوبے میں سمجھ آنے لگی ہے اور وہ سمجھ گئے ہیں کہ جمہوریت کا مفہوم اقلیت کشی یا اقلیت کو ان کے پیدائشی حقوق سے محروم کر دینا نہیں ہے۔ مادری زبان کا فیصلہ خود اس زبان کے بولنے والوں پر چھوڑنا ہے نہ کہ حکمران طبقہ یا دوسری زبان کے لوگوں پر۔ مدھیہ پردیش جہاں پہلے اردو اسکولوں کو ختم کر دیا گیا تھا۔ اب پھر اردو اسکول کھولے جا رہے ہیں۔ وہ اس حقیقت سے آگاہ ہو گئے ہیں کہ ان کے انکار کر دینے سے اردو زبان ختم نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس سے برے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اردو والوں کے دلوں میں نفرت اور غصہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ حکومت کو حقیقت پسند نہیں سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ حکومت ان کے حقوق کی حفاظت کرنے کے بجائے پامال کرتی ہے۔ اس سے حکومت ان کی ہمدردی سے محروم ہو جاتی جو جمہوری حکومت کی جڑیں کھوکھلی کر دینے کے لئے کافی ہے۔ کاش دوسرے صوبوں کی حکومتیں بھی دانائی سے کام لیں اور وہ کروڑوں آزاد انسانوں کے دلوں کو توڑنے کے بجائے موہنے کی کوشش کریں۔

حامیان اردو کا فرض ہے کہ وہ اس وقت تک خاموش نہ بیٹھیں جب تک کہ آزاد ہندوستان میں اردو کو صحیح مقام نہ مل جائے جلسوں، کانفرنسوں، لچھے دار تقریروں کے بجائے عمل کی ضرورت ہے خون پسینہ ایک کرنے کی ضرورت ہے۔ اس عہد کو جان پر کھیل کر پورا کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم اپنی مادری زبان اردو کی حفاظت، ترقی اور بقا جیتے جی کرتے رہیں گے۔ اس کے لئے مریں گے، اس کے لئے جئیں گے۔ تمام ہمدردان اردو، تمام ادبی انجمنیں، جمعیۃ علماء ہند اور انجمن ترقی اردو کی تمام شاخیں اگر یہ عزم کرلیں کہ ہمیں اردو زبان کو زندہ رکھنا ہے تو بڑی سے بڑی طاقت بھی اس کو ختم نہیں کر سکتی۔ لکھنؤ کانفرنس میں یہ طے ہوا تھا کہ یو پی میں بیسک اسکولوں میں چالیس لاکھ بچوں کو داخل کرایا جائے۔ انجمن ترقی اردو ہند کی صوبائی شاخ ابھی تک خاموش ہے معلوم نہیں وہ کیا کر رہی ہے۔ دوسری مقامی انجمنیں بھی خاموش ہیں۔ اب وقت نہیں رہ گیا ہے۔ ۱۲ مئی تک تمام اسکول بند ہو جائیں گے۔ اس کے بعد جولائی میں کھلیں گے۔ اس لئے ابھی سے کوشش اور جد و جہد جاری کر دی جائے تاکہ چھٹیوں میں کام سلیقہ

سے ہو جائے اور جولائی میں جب اسکول کھلیں تو اسکول میں چالیس پچاس لڑکے اردو کے داخل کرا دئے جائیں۔ جونیر اسکول کے نصاب کے لئے بھی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ ورنہ چھٹے ساتویں اور آٹھویں درجے سے اردو غائب ہو جائے گی اور اس کے بعد پھر کون پڑھے گا جب بعد کے درجوں میں تعلیم نہیں ہو سکتی تو بیسک اسکولوں میں پڑھنے سے کیا فائدہ گویا دھڑ کٹ جانے سے پورا جسم بیکار ہو جائے گا۔ نہ سر باقی رہا نہ پیر۔ نہ ابتدائی درجوں میں اردو رہے گی نہ اعلیٰ درجات میں۔ سرکار کے محکمہ تعلیم کی اردو نوازی کی اس سے بڑی مثال اور کہاں مل سکتی ہے؟ کہ لاٹھی بھی نہ ٹوٹی اور سانپ بھی مر گیا۔

ایک اہم مسئلہ اردو بیسک ریڈروں کا ہے۔ گزشتہ سال یو پی گورنمنٹ نے اپنی نگرانی میں جو اردو بیسک ریڈریں پہلے درجے سے لیکر پانچویں درجے تک تیار کرائی تھیں ان کے مضامین کے متعلق بھی ملک کے کونے کونے سے احتجاج کیا گیا کہ جمہوری تعلیم کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کسی ایک فرقہ کی دیومالا کے حالات لکھ کر شدھی کا پرچار کیا جائے یہ کتابیں ہرگز اس قابل نہیں ہیں کہ انہیں کورس میں داخل کیا جائے۔ ابھی تک محکمہ تعلیم اس معاملے میں بھی خاموش ہے۔ اس سال دوبارہ محکمہ تعلیم کی نگرانی میں کتابیں شائع ہوں گی۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ نئی کتابوں میں وہی مضامین اور اسباق نہ ہوں جن سے شدھی کا پرچار ہوتا رہے اور مضامین ایسے ہوں جن سے طلبا کو فائدہ پہونچے۔ یہ اسباق صرف اردو کتابوں ہی کے لئے نامناسب نہیں بلکہ ہندی کتابوں میں بھی نہ ہونے چاہئیں۔ کیونکہ لا مذہبی اور جمہوری حکومت میں یہ فعل انتہائی شرمناک ہے کہ کسی ایک فرقہ کے مذہبی خیالات، روایات اور اعتقادات کا جمہوریت کے نام پر پرچار کیا جاتا رہے۔

ضرورت ہے کہ انجمن ترقی اردو ہند کی صوبائی شاخ جلد ان تینوں مسئلوں پر قدم اٹھائے اور جونیر اسکولوں کے مضامین کے متعلق سرکلر جاری کرائے، اگر محکمہ تعلیم جیلے حوالے کرتا ہے تو نصاب کا نام نہاد سرکلر خود ہی کر شائع کر کے تقسیم کرائے۔

امید ہے کہ یو پی کے علاوہ دوسرے صوبوں کے ہمدردان اردو مقامی طور پر اپنی مادری زبان کو زندہ رکھنے کی مسلسل جدوجہد کرتے رہیں گے۔

(فروغ اردو)

لائبریری کی فہرست

انجمن ہندوستان کی لائبریری کی ایک مکمل فہرست مرتب کر رہی ہے۔ جس میں لائبریری کے نام ان کے قیام کی تاریخ، ان کے صدر، سکریٹری اور ارکان کے اسمائے گرامی کے ساتھ ساتھ لائبریری کی مختصر تاریخ اور تعداد کتب درج ہوگی جو لائبریری میں موجود ہیں۔

حامیان اردو اپنے گاؤں، قصبہ اور شہر کی لائبریریوں کے مفصل پتے ارسال فرمائیں۔

(منیجر)

نئی کتابیں

داعی امن

مجلس سیرت بمبئی۔ ۱۳۸۔ زکریا اسٹریٹ بمبئی ۹ کے مطبوعات کی دوسری کڑی ہے جس کے مصنف مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی ناظم دینیات جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی ہیں۔ اس کتابچہ میں اختصار کے ساتھ اسلام کی تصویر کھینچی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ دنیا کے محسن محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اصلاحی دعوت کا آغاز کس طرح کیا تھا اور یہ کس طرح ثابت کر دیا کہ

"سب انسان بھائی بھائی ہیں نہ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ عجمی کو کسی عربی پر کوئی برتری حاصل ہے"

اس قسم کے چھوٹے چھوٹے رسالوں سے بڑا فائدہ پہونچ سکتا ہے۔ بشرطیکہ اسلام کی تعلیمات کی صحیح روح ان میں پیش کی جائے مجلس سیرت بمبئی کا یہ کام لائق ستائش ہے۔

آشا دیپ بجھے نا

ست پرکاش سنگر کے افسانوں کے مجموعے کا نام ہے۔ اور نام پر تبصرہ کی گنجائش نہیں۔ اس لئے کہ آج کل کتابوں کے نام کچھ اسی قسم کے رکھے جاتے ہیں۔

"اور طوفان بہتا رہا" "نو ایک کہانی سنو" وغیرہ وغیرہ۔

ست پرکاش سنگر صاحب سوچ سمجھ کر لکھنے والے نوجوانوں میں اپنی ایک خاص حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی یہ حیثیت ان کے ہر افسانے میں روشن نظر آتی ہے۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ امید ہے کہ ان کا یہ مجموعہ قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔ قیمت دو روپے۔ ملنے کا پتہ

(مکتبہ کردار بھوپال)

سقراط

تین ایکٹ کا ایک تاریخی ڈرامہ ہے جس کو انجمن ترقی اردو حیدرآباد دکن نے شائع کیا ہے۔ اس کے مصنف محمد فضل الرحمٰن صاحب ہیں جن کے قلم کو ڈرامہ نویسی کا خاص شعور حاصل ہے۔

ڈرامے میں سقراط کی زندگی موت اور اس کے عالمگیر پیام کو دلکش انداز میں پیش کیا گیا ہے اور اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ڈرامے کا کوئی جز غیر تاریخی نہ ہو اور اس کے لئے فاضل مصنف نے یونان کی مستند تاریخوں اور افلاطون کے مشہور آفاق مکالموں سے مواد حاصل کیا ہے۔

قیمت ایک روپیہ چار آنے۔ ملنے کا پتہ :-
انجمن ترقی اردو، حمایت نگر، حیدرآباد (دکن)

بچوں کی کتابیں

انجمن ترقی اردو حیدرآباد نے بچوں کے لئے کہانیوں کا ایک دلکش رنگین سٹ شائع کیا ہے جس میں حسب ذیل چار کہانیاں ہیں۔

(۱) مزے دار کہانیاں :- اس کے لکھنے والے محمد حفیظ اللہ صاحب ہیں۔
(۲) بچوں کے گیت :- لطیف النسا بیگم کے لکھے ہوئے ہیں
(۳) چند بڑے آدمی :- مقبول احمد صاحب سیوہاروی کی تصنیف ہے۔
(۴) ہونہار :- یہ ڈرامہ ہے جس کے لکھنے والے شجاع احمد صاحب تاباں ہیں۔

ان کتابوں کی لکھائی چھپائی، کاغذ اور سرورق کی تصویریں خاص اہتمام سے بنوائی گئی ہیں۔ مکمل سیٹ کی قیمت دو روپے چار آنے ہے۔ انجمن ترقی اردو (ہند) کی دوسری شاخوں کو حیدرآباد کی شاخ کی خاموش کارگزاریوں سے سبق لینا چاہئے۔ یہ شاخ اپنے اہتمام میں ایک "اردو ہال" بھی تعمیر کرا رہی ہے۔

جلوہ صد رنگ

(صغیر احمد بلیاوی۔ بی۔ ایس۔ سی علیگ)

جلوہ صد رنگ حبیب احمد صدیقی کی ۱۸ غزلوں کا مجموعہ ہے، جو ۲۰ سال کے اندر کہی گئی ہیں۔ اس قدر طویل عرصے میں یہ تو نہیں ہوگا کہ حبیب احمد صاحب نے کل اتنی ہی غزلیں کہی ہوں گی۔ قیاس یہ ہے کہ بہت سی غزلوں میں سے یہ غزلیں انتخاب کی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر غزل اپنی جگہ جلوہ صد رنگ ہے۔ صدیقی صاحب اس رمز سے آشنا ہیں کہ تعلیم سے واقف ہو کر معمولی پر اکتفا کر لینا گناہ ہے۔

صدیقی صاحب ادبی دنیا میں بہت زیادہ مشہور نہیں ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ بہ شہرت عام ان کا مذاق خاص پسند نہیں کرتا اور وہ اپنے گرد بھیڑ اکٹھا کرنا نہیں چاہتے۔ یہ اچھی بات ہو یا بری مگر ان کی طبیعت کی افتاد یہی ہے اور ان کا یہ ذہنی میلان ان کے کلام میں بھی نمایاں ہے۔ غزل کا میدان اردو شاعری میں بہت روندا ہوا میدان ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی شعر میں کوئی بات پا کر بھی ہم محظوظ نہیں ہوتے۔ بات اچھی ہوتی ہے لیکن ایک ہی طرح ایک ہی انداز میں بار بار کی سنی ہوئی ہوتی ہے اس لئے دل کو لگتی نہیں ہے۔ ندرت خیال شاعری کا حسن ہے مگر ندرت بیان کا بھی درجہ کم نہیں ہے اور بسا اوقات ندرت بیان ہی ندرت خیال بن جاتا ہے جس دشت کی انکھیں باتوں اور نگاوٹوں کو ... ہے

نے اس طرح پیش کیا ہے کہ اس سے نہ صرف ذوق کی آسودگی ہوتی ہے بلکہ ایک طرح کی بصیرت بھی حاصل ہوتی ہے۔

تم بہرحال ہو وابستہ مری قسمت سے ٭ حاصل زیست تو ہو حاصل امکاں نہ سہی
حسرت بھری نظر کسی کی دم وداع ٭ مرنا بھی میرے واسطے دشوار کر دیا
زندگی میں قوت بالیدگی آتی گئی ٭ ہر ادائے حسن میں اک راز پنہاں دیکھ کر
جبین شوق کو تسکین کسی طرح نہ ہوئی ٭ قدم قدم پہ تجلی گئی صنم خانے

خیال میں بسا ہوا ہے آشنا کے روپ میں
وہ دل نواز اجنبی کہ جس سے گفتگو نہیں
ہے زندگی عذاب جاں جو دل ہو وقف آرزو
ہے زندگی عذاب جاں جو دل میں آرزو نہیں

صدیقی صاحب کا لہجہ بہت دھیما اور ٹھہرا ہوا ہے۔ انتشار اور پراگندگی نہ ان کی شخصیت میں ہے نہ ان کی شاعری میں۔ وہ جذبہ میں ذہن کی ملاوٹ ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ شاعری صرف جذبہ کی چیز نہیں ذہن کی بھی چیز ہے۔ ذہن و جذبہ کی یہ آمیزش شعر کو صوری و معنوی دونوں خوبیوں سے آراستہ کرتی ہے۔

شعر و ادب، زمانہ اور زندگی کا آئینہ دار تو ہے لیکن یہ سرسری واقعات کی کھتونی نہیں ہے۔ عصری عناصر کو شاعری میں جگہ دینا ضروری ہے اور میرے نزدیک شاعر کا منصب یہ ہے کہ وہ زندگی کے عصری تقاضوں کو زندگی کے پاک، صالح اور ابدی قدروں سے اس طرح ہم آہنگ کرے کہ نہ صرف دماغ بلکہ ذوق و وجدان بھی متاثر اور آسودہ ہوں اور یہی وہ مقام ہے جہاں فن فسوں بن جاتا ہے۔ اس بات کو ذہن میں رکھنے اور نہ رکھنے والوں کے موضوع اور مواد یکساں ہیں لیکن ان میں فرق یہ ہوتا ہے کہ ایک طرف تو سوز و گداز ہوتا ہے اور دوسری طرف چیخ و پکار اور شور و شر۔ موجودہ شعر و ادب کے بیشتر حصے کو دیکھ کر یہ خدشہ ہوتا ہے کہ زمانہ اور زندگی کے لئے جو بہت تھے کل، زمانہ اور زندگی ہی کی نذر نہ ہو جائیں۔ صدیقی صاحب کی غزلوں میں آرائش خم کاکل کا انداز یہ ہے کہ ان کے ساتھ ہم آپ بھی اپنے اندیشہ ہائے دور دراز کی تہوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ شخصی غم و آلام اور سرور و انبساط کو آفاقی بنا دینا شاعر کے فرض منصبی میں ہے۔ صدیقی صاحب کی غزلوں میں ہجر و وصل کی عامیانہ واردات نہیں ملتیں۔ ان کے کلام میں جمالیاتی احساس ہر شعر میں ابھرتا ہوا ہے۔ سنجیدگی و شرافت، شائستگی، توازن، معصومیت و متانت ان کے محبوب حسن و جمال کے ضروری جز ہیں اس لئے ان کے یہاں برق و شرر بار کی دل دہلا دینے والی کڑک اور چکا چوند کر دینے والی چمک نہیں ہے، بلکہ گہرا، دھیما اور رچا ہوا احساس ہے جو گوناگوں کیفیت و تاثرات کا حامل ہے۔

اک برق سی چمکی، موج حسن لہرائی ٭ غنچہ دہن کا زیر لب تبسم آ ہی
شکوہ بھی کریں تو کس سے کریں معصوم نظر معصوم ادا ٭ جیسے وہ محبت کیا جانے جیسے وہ عداوت کیا جانے
یوں تبسم ریز ہے دل چشم خنداں دیکھ کر ٭ جیسے دریا مسکرا اٹھتا ہے ماہ تاباں دیکھ کر
اک مستقل عذاب ہے پھر تو یہ زندگی ٭ الفت میں دل اگر دل ناداں نہ ہو سکا

صدیقی صاحب کی غزلوں کا یہ مجموعہ سدا بہار ہے جسے خزاں دیدہ ہونے کا احتمال نہیں!

تین روپے میں مجلوی سہانے تہکاری دکیل ۱۵۲/۲ سر دپ نگر کان پور سے مل سکتا ہے۔

خبریں

حیدرآباد اردو مجلس کی جانب سے مشہور ادیب مولوی فرحت اللہ بیگ صاحب مرحوم کی یاد منائی گئی۔ اس سلسلے میں اردو مجلس حیدرآباد کی جانب سے ایک یادگار علمی و ادبی جلسہ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کے مکان .... واقع حمایت نگر ترتیب دیا گیا تھا۔

اس موقع پر ڈاکٹر یوسف حسین خان۔ غلام یزدانی صاحب، پروفیسر عبدالقادر سروری۔ پروفیسر عبدالمجید۔ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب میر عابد علی خاں صاحب، اجاگی پرشاد صاحب۔ مولوی احمد مرزا صاحب کے علاوہ حیدرآباد کے علم دوست شخصیتوں کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔

مولوی غلام یزدانی صاحب۔ اور مولوی منظور احمد صاحب نے مولوی فرحت اللہ بیگ صاحب کی حیات اور ادب پر روشنی ڈالی۔

مولوی فرحت اللہ بیگ صاحب مرحوم نہ صرف ایک اچھے ادیب تھے بلکہ ایک مثالی انسان بھی تھے جن لوگوں نے انکو قریب سے دیکھا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ انھوں نے خود اپنی زندگی کی آپ تعمیر کی تھی۔ اور اس سلسلے میں انھیں زندگی کے جن نشیب و فراز سے گزرنا پڑا تھا۔ اس کا عکس اکثر ان کے ادب اور کلام سے ظاہر ہوتا رہا ہے انھوں نے "غم ہستی" کا علاج "جز مرگ" سے نہیں بلکہ زندہ رہ کے اصولوں سے کیا۔ اپنے غم کو اپنے فطری مزاج اور سنجیدہ ظرافت میں چھپاتے رہے۔ اس لئے کہ وہ حیدرآباد کی ایک ایسی تہذیب و تمدن کے نمائندے تھے جو اپنے "غم" کو مرہون ہمدردی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ان کے سینے میں ایک درد مند دل تھا۔ اور انھوں نے اپنی زندگی میں اس درد کی کسک کو اکثر محسوس کیا ہے۔

حیدرآباد کا یہ مشہور ادیب "غم ہستی" کو خندہ لبی کے ظاہری پردوں میں چھپاتا رہا۔ گزشتہ سال ان ہی دنوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔ لیکن زندگی کے قافلے کے ایسے نشان راہ چھوڑ گیا ہے کہ جس سے آنے والی نسلیں اپنی زندگی کے سفر کی راہیں متعین کر سکتی ہیں۔

(نامہ نگار)

بہوروا ضلع بلیا دینی تعلیمی کانفرنس بہوروا ضلع بلیا کی مجلس استقبالیہ کے ارکان خصوصی حاجی محمد عنایت اللہ صاحب سرپرست۔ محمد یعقوب صاحب ایم۔ اے صدر، حاجی محمد ثناء اللہ صاحب و حافظ محمد ابوالحسنات صاحب نائبین صدر۔ نعیم الحق صاحب جنرل سکریٹری۔ مسعود عالم صاحب و آفتاب احمد صاحب جوائنٹ سکریٹری۔ حلیم الحق صاحب خازن۔ عبدالقیوم صاحب بی۔ اے۔ ایس۔ سی (علیگ)، حاجی محمد یونس صاحب۔ ماسٹر بشیر احمد صاحب۔ محمد نسیم صاحب ادیب بی۔ اے، ابوالبرکات صاحب۔ ضیاء احمد صاحب، حفیظ احمد صاحب اور مرتضیٰ صاحب نے حسب ذیل بیان اخبارات کو دیا ہے۔

اردو زبان اور دینی تعلیم دونوں ہی ہماری قومی اور ملی زندگی کی بقا کے لئے ضروری ہیں۔ کیونکہ دنیا کی کوئی قوم اپنی زبان اور اپنے مذہب سے بیگانہ رہ کر اپنے وجود کو باقی نہیں رہ سکتی۔ اس وقت اگر ہم نے دینی تعلیم کا بندوبست نہیں کیا اور اپنی زبان کی حفاظت کے لئے انتہائی جد و جہد نہیں کی تو ہمارے بچے سب کچھ بن سکیں گے مگر غالباً کم سے کم انھیں مسلمان کوئی بھی نہیں کہہ سکے گا۔ اور یہ اتنا بڑا قومی نقصان ہوگا جس کی تلافی قیامت تک نہ ہو سکے گی۔

ہندی اس ملک کی سرکاری زبان ہے جس کا سیکھنا ہر ذمہ دار شہری کا فرض ہے اور مسلمان بڑی تیزی کے ساتھ اسے سیکھ رہے ہیں۔ مگر صرف ہندی کے سہارے رہ کر ہم اپنے دینی رجحانات اور ملی خصوصیات کو برقرار نہیں رکھ سکتے۔ اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہمارے بچے اپنی مادری زبان اردو سے بھی واقف ہوں تاکہ دین کی باتوں سے غافل نہ رہیں۔

ہم سیکولر اسٹیٹ کے باشندے ہیں۔ جہاں ہر شخص کو اپنے مذہب و ملت اور زبان و ادب کی حفاظت کا قانونی حق حاصل ہے۔ اسی حق کے پیش نظر انجمن ترقی اردو اور اسٹوڈینٹس لائبریری بہوروا ضلع بلیا کے اہتمام میں ایک ادبی اور دینی تعلیمی کانفرنس منعقد کی جا رہی ہے۔ جس کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس کے افتتاح فرمانے کی درخواست مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب مدظلہ نے قبول فرمائی ہے۔ اور صدارت کی گزارش مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی صاحب ایڈیٹر "معارف" اعظم گڑھ نے منظور کی ہے۔

کانفرنس کے اجلاس کے ساتھ ایک انعامی مقابلہ بھی ہوگا جس میں صرف بلیا کے ادبا و شعرا اور طلبا حصہ لیں گے۔ موضوع یہ ہے۔

"دینی تعلیم کی ضرورت"

اس موضوع پر سب سے اچھے مضمون لکھنے والے کو محمد یعقوب صاحب ایم۔ اے بہوروی کی طرف سے نقد انعام دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ ایک خصوصی انعام حاجی محمد یونس صاحب کی طرف سے اس طالب علم کو دیا جائے گا جو اس موضوع پر سب سے اچھی تقریر کرے گا۔ ایک اور انعام ضلع بلیا کے اس شاعر کو دیا جائے گا جو نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے اپنی نظم میں دینی تعلیم اور اردو زبان کی ضرورت پر اظہار خیال کرے گا۔ نظم ۲۵ شعروں سے زیادہ کی نہ ہونی چاہئے۔

کانفرنس کے ساتھ علمی نمائش اور مشاعرہ بھی ہوگا جس کا افتتاح جانشین داغ حضرت نوح ناروی فرمائیں گے۔ اور صدارت کے فرائض شاعر انقلاب مولانا انور صابری صاحب انجام دیں گے۔ مشاعرہ طرحی ہوگا جس کا قافیہ زبان دیان وغیرہ ہوں گے اور ردیف اور بحر شعرا اپنی مرضی ذوق کے مطابق منتخب کریں گے۔ ضلع بلیا کے جو شعرا شریک مشاعرہ ہونگے ان کی تصویریں ان کے خود نوشت حالات اور ان کے کلام کا انتخاب کانفرنس کی روداد کے ساتھ شائع کیا جائے گا۔

علمی نمائش میں نادر قلمی کتابیں جو ضلع کے مختلف مقامات پر خاص خاص گھرانوں میں محفوظ ہیں رکھی جائیں گی۔ ان کے علاوہ بلیا کے مصنفین کی مطبوعہ کتابیں بلیا سے شائع ہونے والے اخبار اور رسالے بھی مہیا کئے جائیں گے۔ نمائش کا افتتاح ابو الفضل مولانا عبد الحفیظ بلیاوی استاد ندوۃ العلما لکھنؤ فرمائیں گے۔ علمی نمائش کے لئے جو اصحاب کتابیں اخبارات اور رسالے مرحمت فرمائیں گے۔ ان کے شکریے کے ساتھ ان چیزوں کی فہرست شائع کی جائے گی۔

امید ہے کہ ارباب فکر اپنے ہر قسم کے مشاغل اور موانع سے بالاتر ہو کر کانفرنس میں شریک ہوں گے اور اس کو کامیاب بنانے کے لئے مجلس استقبالیہ کے ساتھ تعاون کریں گے۔

ذیل کے شعرائے کرام شریک بزم ہوں گے۔

عارف عباسی بلیاوی۔ شفیق جونپوری۔ دانش جونپوری۔ نذیر بنارسی۔ دل لکھنوی۔ مسرور لکھنوی۔ امید ڈبائیوی۔ راہی غازی پوری شفیق الہ آبادی۔ قیصر الہ آبادی۔ ماہر بنارسی۔ قمر بنارسی ضیا الہ آبادی جوہر بجنوری۔ فضا ابن فیضی۔ انجم مئوی آسیر اردوی۔ نشاط سیمابی ظہیر صفائی بلیاوی۔ علمی بلیاوی۔ منظور نازش مغل سرائے۔ آصف بلیاوی شرر بلیاوی۔ سرخوش خاکی بلیاوی۔ جگر گورکھپوری۔ نشاط ماہر دئوی و عنبر مزاحیہ شاعر احمر گورکھپوری۔ شوق بہرائچی۔

محمد اقبال ورحمت اللہ

سکریٹری شعبہ نشر و اشاعت

لکھنؤ

اردو کتابوں پر انعام

حکومت اتر پردیش نے آرٹ، سائنس اور ادب کی اردو کتابوں کے مصنفین کو ہندی ادب فنڈ سے انعامات دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ ان انعامات کے مستحق صرف یوپی کے مصنفین ہوں گے۔

انعامات کے لئے صرف جنوری ۱۹۵۵ء اور اس کے بعد کی چھپی ہوئی کتابیں بھیجنا چاہئیں۔ جن پر صاف طور سے تاریخ طباعت موجود ہونا چاہئے۔ غیر مجلد یروف، کاپیاں اور اخباروں کی کترنیں قبول نہیں کی جائیں گی البتہ غیر مطبوعہ قلمی نسخے قبول کئے جا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ مصنف داخلہ فارم میں اس بات کی تصدیق کرے کہ وہ انعام ملنے کی تاریخ سے ایک سال کے اندر اسے چھپوا دے گا۔ انعام صرف طبع زاد تصانیف پر ملے گا اور ترجمے قبول نہ کئے جائیں گے جب تک وہ غیر معمولی خوبی اور افادیت کے حامل نہ ہوں۔ ایک بار جو کتابیں داخل کی جا چکی ہیں دوبارہ داخل نہیں کرنا چاہئے۔

مصنفوں کو اپنی مطبوعہ کتابوں کے چھ نسخے اور قلمی نسخے کی ایک ٹائپ شدہ اور مجلد کاپی سکریٹری حکومت یوپی ایجوکیشن (اے) ڈپارٹمنٹ دو دھان بھون لکھنؤ کو اس طرح بھیجنا چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ ۱۵ نومبر ۱۹۵۵ء تک ان کے پاس پہنچ جائیں۔

کتابیں مصنفوں کو بذریعہ رجسٹرڈ پارسل (اکنالجمنٹ ڈیو) بھیجنا چاہئیں اور اس کے ساتھ ایک خط بھی ہونا چاہئے جس میں مصنف کا مستقل پتہ درج ہو۔

ناگ پور آخر ناگ پور کارپوریشن نے جبریہ تعلیم کی جو اسکیم بنائی ہے اس میں اردو کو ذریعہ تعلیم نہیں بنایا گیا ہے۔ کارپوریشن کی اس غلطی پر ناگ پور کے محبان اردو نے اپنے اعتراضات بھیج دئے ہیں۔ اس میں لکھا گیا ہے کہ مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق ساٹھ ہزار اردو بولنے والے اس شہر میں رہتے ہیں اور لسانی حیثیت سے اردو کا تیسرا درجہ ہے اس لئے یہ بہت ضروری ہے کہ جبریہ ابتدائی تعلیم کے لئے جن زبانوں کو چنا جائے ان میں اردو کو بھی چنا جائے۔

ناگ پور ٹائمز کے اسٹاف رپورٹر کا خیال ہے کہ یہ جو جائز اعتراض ہے اور ناگ پور کارپوریشن کو اس پر ضرور غور کرنا ہوگا۔ دوسری بڑی بات یہ ہے کہ جبریہ قانون کا جو قانون اس صوبہ میں نافذ ہے اس میں اردو بھی شامل ہے اور پھر ابھی حال ہی میں کارپوریشن نے یہ طے کیا ہے کہ اردو اسکولوں کو دوبارہ جاری کر دیا جائے۔

خیال ہوتا ہے کہ کارپوریشن کو اپنی تازہ تجویز کے پیش نظر اردو والوں کے اس اعتراض کو ماننا ہی پڑے گا۔ کارپوریشن اپنے ایک خاص جلسہ میں جو ۱۸ مئی ۱۹۵۵ء کو ہو رہا ہے۔ اس اسکیم سے متعلق آئے ہوئے اعتراضات پر غور کرے گی۔

(نامہ نگار)

دہلی کے پرائمری اسکولوں میں اردو

دہلی میں اردو کو جس طرح پامال کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اس کا ایک اور ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ اردو کے پرائمری اسکولوں تک میں بچوں اور بچیوں کو ہر قسم کے مضمون کی کتابیں ہندی میں خریدنے کے لئے کہا گیا ہے۔ حکومت ہند کی طرف سے بار بار اس پالیسی کا اعلان کیا گیا ہے کہ جہاں کہیں اردو طلبا کی تعداد ایک کلاس میں کم سے کم دس اور پورے اسکول میں کم سے کم چالیس ہوگی وہاں ان کی مادری زبان میں تعلیم کا انتظام کیا جائے گا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میونسپل کمیٹی کا باوا آدم نرالا ہے اور وہ مرکزی یا صوبائی حکومت کے کسی حکم کے مقابلے

میں اپنے حکم کی زیادہ پرواہ کرتی ہے اور اسی لئے اردو پرائمری اسکولوں کے اردو پڑھنے والے طلبہ اور طالبات کو ہر مضمون کی کتابیں ہندی میں لانے کے لئے کہا گیا ہے۔ اور یہ ہدایت اس بات کو سوچے بغیر دی گئی ہے کہ وہ طلبا اور طالبات جن کی زبان شروع سے اردو رہی ہے، کس طرح ایک دم سے اونچے اسٹنڈرڈ کی ہندی کی کتابیں پڑھ سکیں گے۔

یاد رہے کہ اس سے قبل میونسپل کمیٹی کے اردو اسکولوں کے ٹیچروں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنے کاغذات اردو میں نہ بھیجیں بلکہ ہندی میں بھیجیں۔ اگرچہ میونسپلٹی کے اس حکم کے خلاف سخت احتجاج ہو چکا ہے اور صدر میونسپل کمیٹی مسٹر اگروال یہ وعدہ بھی کر چکے ہیں کہ وہ اس بارے میں تحقیقات کریں گے لیکن معاملہ اپنی پہلی جگہ پر بدستور موجود ہے اور اردو کی ڈاک برابر واپس کی جا رہی ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ انجمن ترقی اردو (ہند) کی شاخ دہلی اس سلسلے میں ضروری معلومات حاصل کر رہی ہے کہ اردو پرائمری اسکولوں کے طلباء اور طالبات کو اردو کے بجائے ہندی میں کس لئے کتابیں لانے کی ہدایت کی گئی ہے۔

اس سلسلے میں یقین کیا جاتا ہے کہ انجمن مذکور ارباب اختیار سے مطالبہ کرے گی کہ جن بچوں کی مادری زبان اردو ہے اور اسکولوں میں ان کی تعداد بھی کافی ہے تو ان کی تعلیم کا انتظام حکومت ہند کی پالیسی کے مطابق اردو ہی میں کیا جائے گا۔ اور اردو کے طلباء اور طالبات کو اس وقت تک ہندی کتابیں خریدنے کے لئے مجبور نہ کیا جائے جب تک وہ اچھے معیار کی ہندی نہ پڑھ لیں۔

دہلی دہلی پرجا سوشلسٹ پارٹی کی ایگزیکٹو کمیٹی کی میٹنگ کل یہاں ہوئی جس کی صدارت شریمتی سوچیتا کرپلانی نے کی۔ اس موقعے پر ایک ریزولیوشن کے ذریعے پارٹی کی نیشنل ایگزیکٹو کی پالیسی کی تصدیق کی گئی اور اس پالیسی پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا گیا۔ نیز نیشنل ایگزیکٹو کی طرف سے پارٹی کے ڈسپلن کو مضبوط بنانے کے لئے جو قدم اٹھائے گئے ہیں ان کی تعریف کی گئی۔

ایگزیکٹو کمیٹی نے دہلی اسٹیٹ گورنمنٹ کی طرف سے دہلی کو مقبول بنانے اور انگریزی کا مقام دینے کے فیصلہ کی بھی تعریف کی نیز یہ بھی کہا کہ ہندوستان کے آئین کی دفعہ ۳۴۵ اور ۳۴۷ کے مطابق اردو کو دہلی کی ریجنل زبان تسلیم کیا جائے۔

ضلع غازی پور میں اردو

ابوالحسن صاحب صدر جمعیتہ علماء غازی پور تحریر فرماتے ہیں کہ

ایک سال ہوا جب کہ غازی پور میں بیسک پرائمری اسکولوں میں اردو کی تعلیم جاری کرانے کی تحریک کا آغاز ہوا تھا۔ اس وقت حامیان اردو کے دلوں پر مایوسی اور ناامیدی کا غلبہ تھا۔ عام طور پر لوگ اردو کے مستقبل سے مایوس تھے اور یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ اب اردو کو اس کا جائز مقام نہیں مل سکتا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ رفتہ رفتہ مایوسی اور ناامیدی کے بادل چھٹتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ امید کی کرنیں ضیا پاشیاں کرنے لگیں۔ حامیان اردو ناواقف نہیں ہیں کہ بار بار کے مطالبے کے بعد حکومت یوپی نے ۱۹۵۴ء میں یہ سرکلر جاری کیا "جس بیسک پرائمری اسکول میں چالیس یا جس کلاس میں دس لڑکے اردو پڑھنے والے ہوں انہیں اردو ہی میں بطور زبان اول تعلیم دی جائے گی"۔

یہ سرکلر ہر ضلع میں بھیجا گیا لیکن افسوس کہ مقامی افسران تعلیم نے اسے فائلوں کی زینت بنا کر رکھ دیا۔ جمعیتہ علماء ضلع غازی پور نے اس افسوسناک صورت حال کو ایک لمحہ کے لئے پسند نہیں کیا اور خاموش طریقے سے ضلع کے تمام پرائمری اسکولوں میں اردو کی تعلیم رائج کرانے کی مہم شروع کر دی۔ مہم کے آغاز میں طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر ہم آج یہ اعلان کرتے ہوئے بے پایاں مسرت محسوس کرتے ہیں کہ ضلع غازی پور کے ۷۰ پرائمری اسکولوں میں باقاعدہ اردو کی تعلیم جاری ہے شاید بہت سے حضرات اب تک ناواقف ہوں لیکن اب وہ یہ سن کر ضرور خوش ہوں گے۔ بہت سے اسکول ایسے تھے جن میں چالیس تو کیا دس کی تعداد پوری کرنا مشکل تھا۔ تعداد پوری ہو جانے کے بعد آرڈر کے اجراء کا سوال سامنے آیا۔ خدا خدا کر کے آرڈر جاری ہوا۔ پھر بھی بہت سی سرغنائیوں اور اسکولوں میں آرڈر نہیں پہنچ سکا جس کے لئے کوشش کی جا رہی ہے۔

تیسرا مسئلہ کتابوں کی فراہمی کا تھا اگر جمعیتہ علما صوبہ کی پرخلوص جدوجہد کے نتیجے میں صوبہ کے تقریباً آٹھ ناشرین نے نصف سال گزر جانے کے باوجود اردو کی کتابیں شائع کیں۔ اب جہاں شرط پوری ہو چکی ہے وہاں اردو کی کتابیں بھی آ گئی ہیں۔ اور اردو کی تعلیم جاری ہے۔ اب جبکہ اردو کی تعلیم عام طور پر جاری ہے اور کوئی روک ٹوک نہیں ہے اردو کی کتابوں کی مانگ بھی بڑھ رہی ہے ہماری درخواست ہے کہ ہر قصبے کے کتب فروش حضرات نصابی کتابوں کا پورا اسٹاک جولائی میں منگائیں۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تو کاروباری نفع کے ساتھ قومی خدمت کا سہرا بھی ان کے سر بندھے گا۔

اہم مشورہ بیسک پرائمری اور اسلامیہ پرائمری اسکول کے نصاب تعلیم میں کافی فرق ہے۔ یعنی بیسک اسکول میں مذہبی تعلیم کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ اور اسلامیہ پرائمری اسکول میں مذہبی تعلیم کی پوری اجازت ہے۔ یہاں تک کہ قرآن کی تعلیم، نماز روزہ کے مسائل اور نماز کی عملی تربیت وغیرہ لازمی قرار دی گئی ہے۔ اسلامیہ پرائمری اسکولوں میں قبل اوقات مدرسہ آدھ گھنٹہ دینی تعلیم لازمی ہے۔ ایسی صورت میں دیہات اور قصبات کے مسلمانوں سے ہماری درخواست ہے کہ جن دیہات میں دونوں قسم کے اسکول ہیں وہ بیسک پرائمری کے بجائے اسلامیہ پرائمری میں اپنے بچوں کو داخل کرائیں۔ کیونکہ

اسلامیہ پرائمری اسکول میں دینی تعلیم کا کسی حد تک انتظام ہوتا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ اس فیصلے پر سرپرستوں کو مورد اعتراض قرار دیا جائے۔ اور کہا جائے کہ اسلامیہ اسکولوں میں تعلیم دلانے کے بعد لڑکے ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جائیں گے اور وہ آگے چل کر ہندی نہ جاننے کی بنا پر مشکلات سے دوچار ہوں گے۔ ملازمت نہیں ملے گی۔ وغیرہ۔

ایسا ہرگز نہیں ہے۔ حکومت کے نزدیک دونوں اسکول ایک حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسلامیہ اسکول قائم ہی اسی لئے کئے گئے تھے کہ مسلمان بچے اپنے مذہب کے مطابق دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ تھوڑی سی مذہبی تعلیم بھی حاصل کر لیں۔ اگر مسلمانوں کے لئے اسلامیہ اسکول ہیں تو ہندوؤں کے لئے راجکیہ پرائمری اسکول بھی کافی تعداد میں قائم ہیں۔

اسلامیہ پرائمری اسکول میں اردو کے ساتھ اتنی ہندی بھی پڑھا دی جاتی ہے کہ بچے جونیر اسکول میں جا کر کسی سے پیچھے نہ رہ جائیں بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں چار قدم آگے ہی رہتے ہیں۔ ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسلامیہ پرائمری اسکول جو سرکاری اہتمام میں قائم ہیں۔ ہماری مذہبی تعلیم کے لئے کافی ہیں۔ وہاں تو صرف داغ بیل پڑتی ہے۔ اس کے بعد آپ کو اپنے بچوں کی خالص دینی تعلیم و تربیت کا انتظام خود کرنا پڑے گا اپنے اپنے گاؤں میں شبینہ اور صباحی مکتب قائم کیجئے جس میں چھوٹے چھوٹے بچوں کے علاوہ بالغ حضرات کو بھی دین کی تعلیم دیجئے۔

ہم چاہتے یہ ہیں کہ آپ جو حق ملتا ہے اسے چھوڑ نہ دیں جن دیہات میں اسلامیہ اسکول یا مکتب نہیں ہیں وہاں کے حامیان اردو کو چاہئے کہ بچوں کو بیسک پرائمری اسکول میں ہی داخل کرائیں اور مذہبی تعلیم کا اپنے گھروں میں انتظام کریں۔ تاکہ غیر مذہبی اسکولوں کی دینی تعلیم کے نقوش جاگزیں ہونے کے بجائے اسلامی تعلیمات کا سکہ ان کے قلوب پر جمے۔ گورنمنٹ کے جدید سرکلر کے مطابق اگر کسی درجے میں دس یا پورے اسکول میں چالیس لڑکے اردو پڑھنے کے خواہش مند موجود ہیں تو انھیں اردو ہی میں تعلیم دی جائے گی۔ لہٰذا مذکورہ تعداد پوری کر کے ہیڈ ماسٹر کو درخواست دیجئے کہ ان بچوں کی مادری زبان اردو ہے اس لئے انھیں اردو ہی میں تعلیم دی جائے درخواست پر سرپرستوں کے دستخط ضروری ہیں۔ درخواست دے کر رسید حاصل کریں۔ اگر ہیڈ ماسٹر کو عذر ہو اور یہ کہے کہ ہمیں اردو کے لئے حکم نہیں ملا ہے تو ڈپٹی انسپکٹر آف اسکول سے آرڈر جاری کرائیے۔ اگر اس کے بعد بھی کوئی اطمینان بخش صورت نہ نظر آتی ہو تو ظفر الدین احمد صاحب اسپیشل آفیسران ڈپوٹی لینگویج، آفس آف دی ڈائرکٹر آف ایجوکیشن الہ آباد کو حالات سے مطلع کیجئے اور اس کی ایک نقل صدر جمعیتہ علماء ضلع زیر قلعہ غازی پور کو بھی بھیج دیجئے۔

اب جبکہ اردو تعلیم کے لئے بہت سی آسانیاں حاصل ہو چکی ہیں ہم اس سے جائز فائدہ نہ اٹھا سکیں تو افسوس کی بات ہے جولائی ۵۸ء میں پرائمری اسکولوں میں چالیس طلبا داخل کرا لئے اگر چالیس طلباء نہ مل سکیں تو دس لڑکے درجہ اول میں داخل کرا لیجئے۔ اس کے علاوہ جب آپ کا بچہ پرائمری کلاس کی تکمیل کے بعد درجہ ششم یعنی جونیر ہائی اسکول میں داخل ہو تو وہاں بھی اختیاری مضمون میں سے ایک مضمون اردو بھی ضرور دلوایئے تاکہ بچہ اردو تعلیم جاری رکھ سکے۔

اس سلسلے میں مسلمان مدرسین پر بھی بہت کچھ ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ اکثر مدرسین اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں کرتے۔ بلا شبہ مدرسین وہ خدمت انجام دے رہے ہیں جو ماں باپ نہیں کر پاتے۔ لیکن اگر یہی خدمت کسی مقصد کے تحت انجام دی جائے تو فائدہ دو چند ہو جائے گا۔ آج جبکہ لادینیت کے جراثیم ذہن و دماغ میں پیوست کئے جا رہے ہیں۔ مدرسین کا فرض ہے کہ مسلمان بچوں کو نماز کی عملی تربیت دیں اور دینی تعلیم سے کما حقہ، روشناس کرا دیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے جمعیتہ علماء ہند کی تعلیمی کمیٹی کا مرتب کردہ نصاب تعلیم اور تعلیم الاسلام مفید کتابیں ہیں اردو کے اجراء کے سلسلے میں جو دقت پیش آئے فوراً جمعیتہ علماء کے دفتر کو مطلع کر دیں۔

آسام

گوہاٹی۔ آسام قومی زبان اشاعتی کانفرنس کے ایک جلسہ میں مسند صدارت سے تقریر کرتے ہوئے ہندی کے ایک مشہور قلمکار شری جینیندر کمار نے قومی زبان ہندی کا دوسری علاقائی زبانوں اور خاص طور پر اردو کے ساتھ ربط تعلق اور کشیدگی و کشمکش کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے سیر حاصل تبصرہ کیا آپ نے اپنی تقریر میں تجویز پیش کی کہ تمام علاقائی زبانوں اور بالخصوص اردو کی کتابیں ہندی میں منتقل کر دی جائیں تو اس سے ہندی کو بہت فائدہ پہونچے گا۔ آپ نے کہا کہ ہندی قومی زبان اس لئے نہیں ہے کہ وہ کوئی بڑی زبان ہے یا اسے دوسری زبانوں کی امداد کی ضرورت نہیں یا اس کا ادب بہت بلند اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ بلکہ وہ صرف اس لئے قومی زبان ہے کہ عوام کی زبان ہے اور ملک کے ہر حصے میں یہ آسانی سمجھ لی جاتی ہے۔

آپ نے کہا کہ ہندی اور اردو کے مابین تصادم کی مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ ہندی دیوناگری رسم الخط اور اردو فارسی رسم الخط میں لکھی اور چھاپی جاتی ہے جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن اگر تمام اردو ادب ہندی میں منتقل کر دیا جائے تو اس سے ہندی بہت مالا مال ہو سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ میں اردو والوں کو بھی مشورہ دوں گا کہ وہ ہندی ادب کو اپنائیں اس سے اردو زبان و ادب کو کسی قسم کا نقصان پہونچنے کے بجائے فائدہ ہی ہوگا۔ ادب کا سرمایہ بڑھے گا۔ زبانیں مالا مال ہوں گی اور ہماری نسلیں اس پر فخر کریں گی۔

(نامہ نگار)

انجمن کی نئی مطبوعات

باپو کے قدموں میں

صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد نے گاندھی جی کے ساتھ اپنی ابتدائی سیاسی زندگی کا حال بہت دلچسپ پیرایے میں لکھ کر شائع کیا تھا۔ لیکن وہ کتاب دیوناگری رسم الخط میں تھی۔ اس لیے محترم مصنف کی اجازت سے انجمن نے اس کو اردو رسم الخط میں منتقل کیا ہے۔

طباعت بہترین ٹائپ کی ہے اور بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ انجمن نے اس سے زیادہ دیدہ زیب اور خوبصورت کتاب ابھی تک کوئی اور شائع نہیں کی۔ فاضل سوانح نگار کے اعلیٰ مرتبے کا لحاظ کر کے انجمن نے اس کتاب کو بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر راجندر پرشاد کے قلم سے گاندھی جی کی تعلیمات کا یہ مطالعہ بہت ہی دلچسپ ہے اور اس قابل ہے کہ ملک کے ہر کتب خانے میں جگہ پائے اس کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اور ہر حصے کی قیمت پانچ روپے ہے اور مکمل سیٹ کی

(قیمت پندرہ روپے)

حیات اجمل

اس کے مصنف قاضی محمد عبدالغفار صاحب ہیں اس سوانح حیات کا بہت دنوں سے انتظار تھا۔ اس میں مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب کی صرف سوانح عمری ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس دور کی پوری سیاسی تحریکات کا خاکہ پیش کیا گیا ہے جس میں حکیم صاحب مرحوم کے عظمت کردار کا پتہ چلتا ہے۔

اس کتاب کی بڑی خوبی مصنف کے انداز بیان کی دلکشی بھی ہے جس کے متعلق بمبئی کے انگریزی اخبار بھارت جیوتی نے لکھا ہے۔

"قاضی محمد عبدالغفار جو اردو کے بہت بڑے عالم اور انشا پرداز ہیں۔ ایک عظیم الشان شخصیت کی سوانح حیات لکھ کر بڑی خدمت انجام دی ہے یہ کتاب اس زمانے کی سیاسی انقلابات کی ایک مستند تاریخ ہے اور پرلطف انداز میں لکھی گئی ہے۔"

(قیمت مجلد آٹھ روپے)

سیاسیات کے اصول

حصہ اول، دوم، سوم

پروفیسر ہارون خاں شروانی

جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے، سیاسیات کے اصولوں پر اردو زبان میں ایک مستند تالیف ہے جو اس موضوع کے ایک متبحر ماہر کے قلم سے مرتب کی گئی ہے۔ کتاب کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصے میں راج یا مملکت کے متعلق نظریات اور دوسرے میں حکومت کے اجزائے ترکیبی پر بحث کی گئی ہے اور دنیا کے مختلف دستوروں پر خصوصاً اپنے ملک کے نئے جمہوری دستور سے مثالیں دے کر حکومت کے مختلف حصوں کو واضح کیا گیا ہے۔ تیسرے حصے میں بین المملکت کے اصول تاریخ اور اس کے موزوں روپ پر نظر ڈالی گئی ہے۔ کتاب کے آخر میں سات سو کے قریب سیاسی اور دوسری اصطلاحوں کی دو فرہنگیں بطور ضمیمہ کے شامل ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ کتاب ایک بڑی کمی کو پورا کرتی ہے۔ اور یقیناً وہ عام پڑھنے والوں اور طلبا دونوں کے لئے بہت مفید ہے۔

(قیمت حصہ اول ۲/۰ روپے۔ دوم ۲/۰ روپے۔ سوم ۱/۸ روپے)

سریلے بول

عظمت اللہ خاں کی شاعری اس نئی پود کے نام تھی جس کے ہونٹوں پر ابھی تک اس کا دودھ خشک نہیں ہوا ہے۔ ہندی شاعری سے انھوں نے گیت کی ریت لیکر ایک نئی ڈگر قائم کی۔ انجمن ان کے گیتوں کا یہ انتخاب پہلی بار ہندی رسم خط میں پیش کرتی ہے۔ قیمت ۱/۸ روپے۔

دھمپد

مہاتما بدھ کے تلقینات کا منظوم اردو ترجمہ ہے جو بدھ مت کی تعلیم کا بنیاد ہے۔ ترجمہ منشی بشیشور پرشاد منور لکھنوی نے کیا ہے جو ترجمے کے گُر سے واقف ہیں اور جن کے ترجمے وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ (قیمت مجلد تین روپے)

پرنٹر پبلشر قاضی عبدالغفار نے نیشنل پرنٹرس کمپنی میں چھپوا کر مرکزی دفتر سے شا